Al-Milal (January-June 2026)
Vol. 8, No. 1 ISSN: 2663-4392

# فقہ و تصوف کا ربط بلحاظ مصادر وماخذ

# The Relationship between Fiqh and Sufism with Reference to Their Sources and Foundations

Dr Shokat Ali[1]

**Abstract:** Fiqh and Tasawwuf represent two complementary dimensions of the Islamic intellectual and spiritual tradition. While Fiqh primarily concerns understanding and deriving practical legal rulings from the Sharīʿah, Tasawwuf focuses on spiritual purification, moral refinement, sincerity, and cultivating an intimate relationship with Allah Almighty. Although these disciplines differ in their immediate objectives and methodologies, they are not inherently contradictory; rather, they address the outward and inward dimensions of religious life and together contribute to the holistic realization of Islamic teachings. The relationship between Fiqh and Tasawwuf becomes particularly significant when examined in light of their sources and foundations. Both disciplines are fundamentally rooted in the Qur'an and the Sunnah, which constitute the primary sources of Islamic guidance. Fiqh further develops its legal framework through established principles of Islamic jurisprudence, including Ijmāʿ, Qiyās, and other recognized juristic methodologies, while Tasawwuf derives its principles of spiritual discipline and ethical cultivation from the Qur'anic teachings, Prophetic example, and the lived practice of the early Muslim community. This study examines the common scriptural foundations of Fiqh and Tasawwuf and analyzes the nature of their relationship from an epistemological and methodological perspective. It argues that their apparent distinction does not imply separation or opposition; rather, their proper integration reflects the comprehensive character of Islam, in which adherence to the Sharīʿah is complemented by spiritual purification and moral excellence. The study therefore highlights the importance of maintaining a balanced relationship between legal observance and spiritual development for a comprehensive understanding and practice of Islam.

**Keywords:** Islamic Jurisprudence, Sufism, Sharīʿah, Islamic Intellectual Tradition, Spiritual Purification, Sources of Islamic Law

---

[1] Assistant Professor, Al-Karam International Institute, Bhera, Sargodha, drshaukatali@akii.edu.pk

### تمہید

فقہ و تصوف کے مصادر و ماخذ میں کلی طور پر توافق ہے۔ فقہ کا استنباط اور استخراج بھی قرآن و سنت سے ہے جبکہ تصوف بھی قرآنی نصوص اور سنت سے ہی ماخوذ ہے جس طرح فقہ کو رومن لاء سے کوئی مناسبت نہیں اسی طرح تصوف کو فلسفہ یونان سے کچھ لینا دینا نہیں۔ معترضین نے تصوف کو اگر رہبانیت، ہندوانہ طریقہ اور یونانی فلسفہ کا نتیجہ قرار دیا ہے تو انہوں نے فقہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا کہ فقہ کو رومن لاء کا چربہ قرار دیا حالانکہ فقہ اسلامی اور رومن لاء میں واضح فرق ہے فقہ اسلامی ہمہ گیر تبدیلی اور انسانی زندگی کی بھرپور تبدیلی کی نقیب ہے۔ اسکے برعکس رومن لاء سابقہ طرز زندگی کی ہی ذرا بہتر تنظیم کا داعی ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا: "فقہ اسلامی میں آزادانہ قانون سازی کا دائرہ بہت محدود ہے یہاں بنیادی تصورات قرآن مجید اور سنت رسول میں طے کر دیئے گئے ہیں اب بقیہ قانون سازی رہتی دنیا تک کے لیے انہی حدود کے اندر رہ کر ہو گی جو قرآن و سنت نے طے کر دی ہیں دوسری طرف قانون روما میں آزادانہ قانون سازی کا دائرہ لامحدود ہے۔ فقہ اسلامی تمام تر فقہا اور مجتہدین کے آزادانہ اجتہاد کے نتیجہ میں وجود میں آئی ہے جبکہ قانون روما قریب قریب سارے کا سارا بادشاہ کا عطا کردہ ہے یا بادشاہوں کے مقرر کردہ ماہرین کا طے کردہ ہے پھر فقہ اسلامی اصلاً ایک غیر مدون قانون ہے جبکہ رومن قانون کا طرہ امتیاز ہی یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ مہذب دنیا کا پہلا مدون قانون ہے[1]۔

فقہ اسلامی اور رومن لاء میں بہت سا تفاوت ہے جس میں عورت کے معاملات، عورت کا جائیداد کا مالک بننا، عورت کے مہر، لے پالک کے احکام، وراثت کے احکام وغیرہ ایسے واضح فرق ہیں کہ جن کے ہوتے ہوئے یہ دعوی کرنا کہ فقہ رومن لاء سے متاثر یا ماخوذ ہے یا کسی طور پر بھی درست نہیں۔

جس طرح فقہ کے بارے میں یہ دعویٰ درست اور قابل تسلیم نہیں بالکل اسی طرح تصوف کے بارے میں یہ دعوی کہ یہ غیر اسلامی ہے اور قرآن و سنت سے مستنبط نہیں یہ بھی نا قابل تسلیم اور علمیت سے خالی ہے۔ پھر جن لوگوں نے اسے غیر اسلامی کہا انکے اپنے نظریات میں بہت زیادہ اختلاف ہے کسی کے نزدیک تصوف میں چلہ کشی اور ریاضت کے سارے طریقے ہندو جوگیوں اور سادھوؤں سے مستعار لیے گئے ہیں۔ اس نظریہ کے سرخیل ہارٹن **Horton** نامی مستشرق اور ماسی نیون ہیں۔ کسی کے نزدیک مسلمانوں کا زہد اور تبتل بدھ مت سے ماخوذ ہے گولڈ بر اور ادلبری نامی مستشرقین کے نزدیک صوفیاء کا دنیا سے قطع تعلق در حقیقت گوتم بدھ کی تقلید ہے۔ جبکہ بعض لوگوں کے نزدیک اسلام کا تصوف فی الحقیقت فارسی تصوف کا آئینہ دار ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک اسلامی تصوف پر نصرانی تصوف کا بہت گہرا اثر ہے۔

[1] ۔ڈاکٹر محمود احمد غازی، **محاضرات فقہ** (لاہور: الفیصل ناشر وان و تاجران کتب، س۔ن) ۲۲

اس سب کچھ کے باوجود مستشرقین میں ہی ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے بعد از تحقیق یہ مانا ہے کہ تصوف قرآن و سنت ہی سے ماخوذ ہے جیسے نکلسن جو پہلے تصوف کو رہبانیت اور عیسائیت کا عطیہ کہتا تھا بعد میں انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھک میں تصوف کے حوالے سے یوں اظہار خیال کرتا ہے۔

آج تک اسلامی تصوف کے آغاز اور نشو و نما کے بارے میں غلط اندازے لگائے گئے ہیں۔ یہ کہنا کہ تصوف اسلام میں باہر سے آیا ہے قطعاً قابل تسلیم نہیں بلکہ روز اول سے ہی مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ تھا جو تلاوت قرآن اور مطالعہ حدیث میں مشغول رہتا تھا اور ان کے تمام افکار و نظریات کا منبع قرآن و سنت کے بغیر کچھ نہیں تھا[1]"۔

حضرت جنید بغدادی کا ارشاد بھی اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ایک صوفی کے لئے کتاب و سنت کے ارشادات پر عمل کرنا ہی کامرانی اور فلاح کی پہلی اور لازمی شرط ہے آپ فرماتے ہیں:

یہ راہ تو وہی شخص پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن پاک ہو اور بائیں ہاتھ میں سنت مصطفی اور ان دونوں شمعوں کی روشنی میں وہ قدم بڑھاتا جائے تاکہ نہ شبہات کے گڑھوں میں گرے اور نہ بدعت کے اندھیروں میں پھنسے[2] فقہ و تصوف دونوں کے بارے میں افراط و تفریط پر مشتمل نظریات پائے جاتے ہیں لیکن پہلی فصل میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ صحیح نظریہ یہ ہے کہ یہ دونوں قرآن و سنت سے ماخوذ اور مستنبط ہیں دونوں میں سب سے بڑی قدر مشترک یہی ہے کہ دونوں کا ماخذ ایک ہے۔

ماخذ و مصدر کے اعتبار سے توافق کی صورتیں

اس بحث کو اگر چند نکات میں پیش کیا جائے تو فقہ و تصوف کے درمیان توافق کی درج ذیل نمایاں صورتیں سامنے آتی ہیں۔

1۔ دونوں میں اجتہاد کی گنجائش ہے

فقہ کا تعلق بھی اجتہاد کے ساتھ ہے، قرآن و سنت کی نصوص سے اخذ مسائل کرنے کے لیے مختلف صور میں مذکور ہیں جیسے عبارۃ النص، دلالۃ النص، اشارۃ النص اور اقتضاء النص اسی طرح بیان کی صورتیں ہیں۔ اسی وجہ سے بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ شاید فقہ کوئی ایسا علم ہے جو فقہاء نے صرف اپنے اجتہاد اور رائے سے بنالیا ہے لہذا وہ فقہاء کو اصحاب رائے کہنے لگے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے بعض احکام میں ایسا ہوتا ہے مگر وہ بھی قرآنی اصولوں کی بنیاد پر جبکہ اکثر مسائل میں تو قرآن و سنت کی روشنی میں صرف یہ جاننے کی سعی کی جاتی ہے کہ ان کا حکم کیا ہے مثلاً یہ جاننا کہ آیا یہ حکم قرآن و سنت کی روشی میں فرض ہے یا واجب ، مندوب، مباح، حرام، مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہے۔ احکام کی ان صفات کی بنیاد پر ہی انہیں احکام شرعیہ کہا جاتا ہے۔ کسی بھی عامل کے کام کو ان میں سے کوئی نام ضرور دیا جاتا ہے۔یعنی انسان کا ہر عمل شریعت کی رو سے فرض ہے یا واجب یا مندوب یا مباح یا حرام یا مکروہ اور پھر مکروہ ہونے کی صورت میں مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہے سو ہر اچھے یا برے عمل کے بارے میں یہ جاننا کہ شریعت نے اس پر ان

---

[1] ۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری، **مقالات** (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء)، ۱\۳۶۳

[2] ۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری، مقالات، ۱\۳٦4

Al-Milal (January-June 2026)
Vol. 8, No. 1 ISSN: 2663-4392

میں سے کون سا حکم لگایا ہے یہ احکام شرعیہ کا علم ہے۔ یہ جاننا کہ نماز فرض ہے، سلام کا جواب دینا واجب ہے، کھانا کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ دھونا مستحب ہے، چوری حرام ہے، ذخیرہ اندوزی مکروہ تحریمی ہے، کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے۔

اس طرح تصوف بھی ابتداء فقہ ہی کا حصہ تھا جیسا کہ فقہ کی تعریفات میں گزر چکا ہے بعد ازاں شریعت کے علم کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور تصوف تیسرا اہم ترین حصہ قرار پایا۔ فقہ ہی کی طرح تصوف کے ساتھ تعلق رکھنے والے مختلف علوم یعنی تزکیہ، اخلاق اور معرفت ان میں سے بعض عبارۃ النص سے ثابت ہیں بعض دلالۃ النص سے بعض اشارۃ النص سے اور بعض دیگر اقتضاء النص سے۔

## 2۔ فقہ و تصوف کا علم حاصل کرنے کا حکم

اس اعتبار سے بھی ان میں توافق ہے کہ جس طرح فقہ کے کچھ حصہ کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے جیسے عبادات، روز مرہ پیش آنے والے معاملات اور نکاح و طلاق کے بنیادی مسائل، اسی طرح طہارت اور نماز، روزہ وغیرہ کے بنیادی مسائل کا حاصل کرنا ہر شخص پر لازم ہے جبکہ تفقہ فی الدین، فقہ اور تصوف دونوں ہی اس میں شامل ہیں یہ فرض کفایہ ہے فقہ کی رو سے فقہ کے وہ تفصیلی دلائل اور ان دلائل کے ذریعے استنباط مسائل فرض کفایہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:"فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين[1]"تو کیوں نہ نکلے ہر قبیلہ میں سے چند آدمی تاکہ تفقہ حاصل کریں دین میں۔

تو چند آدمیوں کا تفقہ فی الدین حاصل کرنا یہ فرض کفایہ کا بیان ہے۔

مفتی رفیع عثمانی صاحب رقمطراز ہیں: "جس طرح ہر مرد و عورت پر اپنے اپنے حالات و مشاغل کی حد تک ان کے فقہی مسائل جاننا فرض ہے اور پورے فقہ کے مسائل میں بصیرت و مہارت پیدا کرنا اور مفتی بناسب پر فرض نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے اسی طرح جو اخلاق حمیدہ کسی میں موجود نہیں انہیں حاصل کرنا اور جو رزائل اس کے نفس میں چھپے ہوئے ہیں ان سے بچنا تصوف کے جتنے علم پر موقوف ہے اس کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے اور پورے تصوف میں بصیرت و مہارت پیدا کرنا تاکہ دوسروں کی تربیت بھی کر سکے یہ فرض کفایہ ہے[2]"۔

فقہ کا ماہر فقیہ اور مفتی کہلاتا ہے جبکہ تصوف و سلوک کے ماہر کو صوفی، شیخ یا مرشد کہا جاتا ہے اس کو عام زبان میں پیر کہا جاتا ہے جس طرح قرآن و سنت سے فقہی مسائل و احکام کا استنباط اور ان کا شرعی حکم معلوم کرنا ہر ایک کے بس میں نہیں اسی طرح باطنی اخلاق کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالنا بھی ایک مشکل کام ہے لہذا فقہ کی مشکلات کے لئے ماہر یعنی فقیہ یا مفتی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے بالکل اسی طرح ان باطنی اخلاق کی معضلات کے حل کے لئے کسی صاحب بصیرت اور صاحب نظر کے پاس جانا پڑتا ہے۔

---

[1] ۔القرآن ۹: ۱۲۲۔

[2] ۔ مفتی محمد رفیع عثمانی، فقہ اور تصوف ایک تعارف، ۳۳

3-فقہ وتصوف قرآن وسنت پر مکمل عمل کرنے کے لئے لازم وملزوم

شریعت مطہرہ کے بنیادی مآخذ قرآن وسنت پر عمل پیرا ہونے کے لئے فقہ وتصوف دونوں لازم وملزوم ہیں۔ صرف فقہ کے احکام پر عمل کر کے کوئی امر بجالا بھی دیا جائے تو دیگر نصوص کی بنیاد پر بعض اوقات بے کار اور بے سود ہوتا ہے۔ جبکہ بغیر فقہ کے تصوف ہے ہی نہیں۔ مثلاً نماز کس طرح قائم کرنی ہے؟ تکبیر تحریمہ، قیام، قرآت، رکوع، سجود، قعدہ، تعداد رکعات وغیرہ، ان سب اوامر کو جاننا فقہ کا موضوع ہے اور عملاً نماز کو قائم کر لینا اور اس میں خشوع وخضوع، توجہ الی اللہ اور غیر سے مکمل طور پر تقبل اختیار کرنا یہ تصوف کا موضوع ہے۔ اب اگر کوئی شخص فقہی احکام کے مطابق نماز کے جملہ امور صحیح طریقے سے سر انجام دے لے تو فقہی اعتبار سے اسکی نماز درست ہے اور ہو بھی گئی مگر قرآن وسنت کی رو سے ایسے نمازیوں کی ہلاکت اور بربادی کا حکم بھی ہے جو فاسد ارادے، ریاکاری اور دکھلاوے کے لئے نماز قائم کر رہے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:"فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ يُراعون ويمنعون الماعون[1]"پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز کی ادائیگی) سے غافل ہیں۔ جو ریاکاری کرتے ہیں اور (مانگے بھی) نہیں دیتے۔

**روز مرہ استعمال کی چیز**

اور تصوف بغیر فقہ کے کچھ بھی نہیں، اس مثال کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اگر کوئی شخص نماز ادا ہی نہ کرے تو خشوع وخضوع کیسا، اخلاص کیسا، رجوع الی اللہ اور تبتل کیوں کر ہو سکے گا؟ وغیرہ[2]

سو نتیجہ یہ ہے کہ شریعت جسم ہے تو طریقت اس کی روح ہے۔ تصوف بغیر فقہ کے کچھ نہیں اور فقہ بغیر تصوف کے بے روح۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ:

نکل کے خول سے بادام یوں بولا
شریعت میں طریقت یوں پنہاں ہے

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: جس شخص کا ظاہر پاک نہ ہو اس کا باطن پاک ہو ہی نہیں سکتا۔"

المختصر قرآن وسنت پر مکمل طور پر عمل پیرا ہونے کے لئے فقہ وتصوف لازم وملزوم ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جمہور اہل اسلام کے نکتہ نظر کے مطابق فقہ کو احکام ظاہری اور تصوف کو احکام باطنی پر منطبق کیا جا سکتا ہے تو اس سے تو توافق وربط ہی ثابت ہو گا[3]۔

4۔ قرآن وسنت کے علاوہ دیگر مآخذ کے اعتبار سے یکسانیت

---

[1] ۔ القرآن ۱۰۷: ۴ تا ۷۔

[2] ۔ فقہ وتصوف ایک تعارف، ۳۷

[3] ۔ ایضا:37

قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ آثار وصحابہ وتابعین، آئمہ مجتھدین اور اولیائے امت کے اعمال وافعال اور اقوال کو فقہ اور تصوف دونوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے بلکہ اولیاء کاملین کی غالب اکثریت جید فقہاء بھی ہیں

اور جلیل القدر آئمہ وفقہاء عظیم الشان اولیاء بھی تھے۔ جیسے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک طرف فقہ کے بہت بڑے امام ہیں تو دوسری طرف قائم اللیل اور صائم الدھر کی خصوصیت بھی آپ کے اندر نمایاں ہے۔

عبد القیوم ہزاروی، ابو زھرہ کی تاریخ المذاہب کے حوالے سے رقمطراز ہیں۔" امام ابو حنیفہ حریت فکر کے دست حامی تھے، ان کا موقف یہ تھا کہ ایک عالم کو آزادی فکر کا حامل اور اپنی سوچ میں آزاد منش ہونا چاہیے۔

آپ کا موقف ہے کہ عالم کو چاہیے کہ وہ حکومت کی ملازمت سے آزاد رہے بلکہ اس کو خلیفہ وقت یا اس کے کسی حت سے کوئی ہدیہ یا وظیفہ وغیرہ قبول نہیں کرنا چاہئیے تاکہ وہ اپنی سوچ اور فکر میں آزاد رہ سکے اور کلمہ حق کہنے میں بے باک رہ سکے۔ آپ نے خود اپنی زندگی میں حکومت کی طرف سے متعدد پیش کشوں کو ٹھکرادیا اور اپنی فکری زادی کے تحفظ میں جان تک قربان کر دی[1]۔

اس بحث کو تصوف اور صوفیاء کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ حریت فکر اور امراء وخانماء سے اپنے آپ کو بچا کر رکھنا اور ان سے ہدائے اور وظیفے وصول نہ کرنا صوفیاء کے نزدیک بڑی اہمیت کا حامل عمل ہے۔

واقعہ موسی وخضر علیہما السلام سے استدلال

قرآن مجید نے حضرت موسی کی حضرت خضر سے ملاقات کا تفصیلی واقع ذکر فرمایا ہے وہ ظاہر وباطن کی تشریح کے حوالے سے بالکل واضح اور خوبصورت دلیل ہے۔

حضرت موسیٰ کے اس سفر میں آپ کا خادم بھی آپ کے ساتھ شریک تھا اور طویل اور تھکا دینے والے سفر کے بعد ان کی ملاقات حضرت خضر کے ساتھ ہوئی جس کو قرآن مجید نے ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے: فوجدا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنا علما[2]، تو پایا انھوں نے ایک بندے کو ہمارے بندوں میں سے جسے ہم نے عطا فرمائی تھی رحمت اپنی جناب سے اور ہم نے سکھائے تھے اسے اپنے پاس سے (خاص) علم۔

اس بات کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے کہ علم لدنی سے مراد وہ خاص علم ہے جس کا تعلق صرف ظاہر کے ساتھ نہیں بلکہ یہ خالصاً اللہ تعالی کی عطا ہے یعنی یہ کسی نہیں بلکہ وہی علم ہے اور باطن سے متعلق ہے۔ حضرت موسیٰ نے حضرت خضر کے ساتھ ملاقات کی خواہش تھی اسی وجہ سے کی تھی کہ وہ حضرت خضر کے باطنی علوم کے مظاہر دیکھیں۔

---

[1] ۔ محمد طاہر منصوری، امام ابو حنیفہ حیات، فکر اور خدمات (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی، س۔ن) ۳۹

[2] ۔ القرآن ۱۸: ۲۵۔

Al-Milal (January-June 2026)
Vol. 8, No. 1 ISSN: 2663-4392

ملاقات کے بعد حضرت موسیٰ نے ساتھ رہنے کی خواہش کا اظہار فرمایا تاکہ وہ اس علم خاص کو حاصل کر سکیں تو جناب خضر نے فرمایا: قال إنك لن تستطيع معي صبرا ، وكيف تصبر على ما لم تحط به خبرا[1] اب اس بندے نے کہا (اے موسیٰ!) آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں اس بات پر جس کی آپ کو پوری طرح خبر نہیں۔

بعد ازاں اس بنیاد پر ساتھ رہنے کا معاملہ طے ہوا کہ کسی بھی مافوق الفطرت واقع کے بارے میں جناب موسیٰ، حضرت خضر سے سوال نہیں کریں گے۔ تو وہاں تین واقعات پیش آئے۔

i. دونوں ایک کشتی پر سوار ہوئے تو حضرت خضر نے کشتی کے پھٹے توڑ دیئے۔

ii. پھر دونوں کی ملاقات ایک بچے سے ہوئی تو حضرت خضر نے اس بچے کو قتل کر دیا۔

iii. بعد ازاں دونوں ایک ایسی بستی میں پہنچے جس بستی کے لوگوں نے ضیافت سے انکار کر دیا اور کھانا، پینا اور رہائش اختیار کرنے سے روک دیا۔ اس بستی سے باہر نکلتے ہوئے دونوں نے ایک گرتی دیوار دیکھی تو جناب خضر نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا۔

## ان واقعات پر حضرت موسیٰ کا ردعمل

ان تینوں واقعات کا ایک ظاہری پہلو ہے اور ایک باطنی۔ حضرت موسیٰ جو جلیل القدر پیغمبر ہیں انہوں نے ان واقعات کے صرف ظاہری پہلو کو لیتے ہوئے حضرت خضر پر اعتراض کیا جس کی تفصیل قرآن مجید نے یوں بیان کی ہے۔

i. کشتی والے واقع کے بارے میں حضرت موسیٰ نے فرمایا: "قال أخرقتهالتغرق أَهْلَهَا لقد جئتَ شَيْئًاإمرا[2]

موسیٰ بول اٹھے کیا تم نے اس لئے شگاف کیا ہے کہ اس کی سواریوں کو ڈبو دو یقیناً تم نے بہت برا کام کیا ہے۔

بظاہر جناب موسیٰ کی اعتراض درست ہے کہ ایسی کشتی جس میں سوار ہو کر انہوں نے سفر کیا تھا بلاوجہ اس کو توڑ دینا اور عیب دار بنا دیا درست معلوم نہیں ہوتا اور منصب نبوت ورسالت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے جو آپ نے دیا۔

ii. بچے کے قتل کے واقع پر آپ نے ارشاد فرمایا: " قال اقْتَلْتَ نَفْسًا زكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نكرا[3] موسیٰ (غضب ناک ہو کر کہنے لگے کیا مار ڈالا آپ نے ایک معصوم جان کو کسی نفس کے بدلہ کے بغیر۔ بیشک آپ نے ایسا کام کیا ہے جو بہت ہی نازیبا ہے۔

---

[1] ۔القرآن ۱۸:۶۷۔
[2] ۔القرآن ۱۸:۷۱۔
[3] ۔القرآن ۱۸:۷۴۔

ظاہری اعتبار سے بلاوجہ ظاہری کسی انسانی جان کو قتل کر دینا کسی بھی طور پر مناسب اور معقول عمل نہیں ہے۔ اس کا جناب موسیٰ نے اظہار فرمایا۔ آپ کا اعتراض بالکل بجا معلوم ہوتا ہے۔ کس طرح کوئی پر امن معاشرے کا رہبر اور ہادی اپنی نظروں کے سامنے قتل ناحق کو دیکھ کر خاموش رہ سکتا ہے؟ سو جناب موسیٰ اس بات کا اظہار کیا اور ایک بظاہر غیر شرعی فعل کے ارتکاب پر اپنی طرف سے غصے کا اظہار بھی کیا اور اس کو انتہائی نامناسب واقع بھی قرار دیا۔

iii. دوسرے واقع کے بعد یہ طے ہو گیا کہ اگر اب آپ نے اعتراض کیا تو آپ اور میرے راستے جدا ہو جائیں گے۔ سو سفر شروع ہوا اور کچھ ہی دیر بعد دونوں ایک بستی میں پہنچے جہاں کے لوگوں نے ضیافت سے معذرت اور انکار کا رویہ اختیار کیا۔ دونوں وہاں سے چل دیتے اور بستی سے نکلتے ہوئے ایک گرتی ہوئی دیوار پر نظر پڑی تو جناب خضر نے اسے سیدھا کرنا شروع کر دیا۔ اسے سیدھا کر دیا تو حضرت موسیٰ نے فرمایا:"لو شئت لا تخذت عليه اجرا[1]:اگر آپ چاہتے تو اس محنت پر مزدوری لے لیتے۔ ایسی بستی جس کے باشندوں نے ایک نامناسب رویہ اختیار کیا انکی دیوار کو بلا معاوضہ تعمیر کرنا عقل سے وراتھا۔ اس لئے جناب موسیٰ نے یہ سوال اٹھایا۔ بظاہر یہ سوال بھی درست معلوم ہوتا ہے۔

ان تینوں واقعات کی یہ ظاہری تعبیر اور صورتحال تھی جس کو جناب موسیٰ نے بیان فرمایا اور تینوں واقعات پر آپ کا رد عمل درست اور فطری تھا۔

حضرت خضر کے جوابات

حضرت خضر نے معاہدے کے مطابق مزید اکٹھے چلنے سے معذرت کر لی اور دونوں جدا جدا ہو گئے مگر جدائی سے پہلے حضرت خضر نے ان تینوں واقعات کی باطنی وجہ اور توجیہ جناب موسیٰ کے سامنے وضاحت بیان فرمائی۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

i. کشتی کو توڑنے کا سبب قرآنی الفاظ میں یوں بیان فرمایا:"أما السفينة فكانت المساكين يَعْمَلُونَ في البحر فأردت أن أعيبها وكان وراءهم ملك بأخذ كل سفينة غصبا[2]:وہ جو کشتی تھی وہ چند غریبوں کی تھی جو (ملاحی کا) کام کرتے تھے۔ دریا میں۔ سو میں نے ارادہ کیا کہ اسے عیب دار بنادوں اور (اسکی وجہ یہ تھی کہ) ان کے آگے (جابر) بادشاہ تھا جو پکڑ لیا کرتا تھا ہر کشتی کو زبردستی ہے۔

اس باطنی سبب کے سامنے آنے کے بعد یہ عمل بالکل درست ہے کہ بظاہر ایک چھوٹے نقصان کے ذریعے کشتی والوں کو بڑے نقصان سے بچایا گیا۔ معمولی نقصان کی وجہ سے کشتی غصب سے محفوظ رہی۔

---

[1] ۔القرآن۱۸:۷۷۔

[2] ۔القرآن۱۸:۷۹۔

ii. بچے کے قتل کا سبب یوں بیان فرمایا: وأما الغلام فكان أبواه مؤمنين فخشينا أن يرهقهما طغيانا وكفر فأردنا أن يبدلهما ربهماخَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وأقرب رحما[1]،اور وہ جو لڑکا تھا تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ )اس کے والدین مومن تھے۔ پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (اگر زندہ رہا تو مجبور کر دے گا انہیں سرکشی اور کفر پر۔ پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے انہیں ان کا رب (ایسا بیٹا) جو بہت ہو اس سے پاکیزگی میں اور (ان پر) زیادہ مہربان ہو۔

ازلی بدبخت بچہ والدین کی گمراہی کا سبب بن سکتا ہے تو اس قتل کی وجہ سے وہ گمراہی سے محفوظ رہیں گے اور انہیں اس کا نعم البدل بھی مل جائے گا۔ اس تعبیر کو سن کر بندہ عش عش کر اٹھتا ہے کہ اس ظاہری نقصان کے عوض وہ لوگ کتنے بڑے نقصان سے بچ گئے اور ایک صالح فطرت سلیم العقل بیٹا بھی انہیں دوبارہ مل گیا۔

iii. دیوار کے حوالے سے قرآن مجید نے جناب خضر کے جواب کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:" وأما الجدار فكان لغلامين يتيمين فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كنزلَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كنزهُمَا رحمة منربک[2]"

باقی رہی دیوار (تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ) وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (دفن) تھا۔ اور ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا پس آپ کے رب نے ارادہ فرمایا کہ وہ دونوں بچے اپنی جوانی کو پہنچیں اور نکال لیں اپنا دفینہ یہ (ان پر) ان کے رب کی خاص رحمت تھی۔

اس حقیقت سے پردہ اٹھنے کے بعد یقینا تنقید اور اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اور حضرت خضر نے آخر میں یہ بھی بیان کر دیا کہ یہ اعمال میں نے اپنی مرضی سے کئے۔"وَمَا فَعَلْتُهُ عَن أمري[3]،اس کا مطلب ہے کہ یہ اللہ تعالی کی طرف سے حکم تھا اور اس علم لدنی کی بنیاد پر واقعات پیش آئے جو اللہ تعالی نے حضرت خضر کو عطا فرما رکھا تھا۔

اس سارے واقعے کے تناظر میں ظاہر اور باطن کی تفہیم بہت حد تک آسان ہو جاتی ہے اور یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ کا ردعمل بھی درست تھا اور حضرت خضر نے جو کچھ کیا وہ بھی حکم خداوندی کے عین مطابق تھا لہذا حضرت خضر اپنے علم اور ذمہ داری کے مطابق درست کر رہے تھے اور حضرت موسیٰ اپنے منصب اور مقام کے مطابق درست فرما رہے تھے۔

فقہ و تصوف میں پایا جانے والا ظاہری تفاوت، اسکی تطبیق اور تجزیہ

---

[1] ۔القرآن ۱۸:۸۰۔

[2] ۔القرآن ۱۸:۸۱۔

[3] ۔القرآن ۱۸:۸۲۔

Al-Milal (January-June 2026)
Vol. 8, No. 1 ISSN: 2663-4392

پہلی بحث میں "فقہ و تصوف کا ربط بلحاظ مصادر و مآخذ" بیان ہوا۔ جس میں دلائل سے ثابت ہوا کہ فقہ و تصوف میں کسی قسم کا بعد اور مغایرت موجود نہیں بلکہ ان دونوں میں توافق پایا جاتا ہے مگر ہم احکام شرع کے حوالے سے بہت سارے امور ایسے بھی دیکھتے ہیں جن میں بظاہر تفاوت نظر آتا ہے۔ فقہ ان کے بارے میں کچھ کہتی ہے جبکہ تصوف کچھ اور تو اس بحث میں یہی دیکھا جائے گا کہ وہ تفاوت کیسا ہے؟ اور اس تفاوت کے ہوتے ہوئے توافق کی بات کیوں کر کی جاسکتی ہے؟ ان کے درمیان تطبیق کیسے ممکن ہے اور پھر اس پر تجزیہ پیش کیا جائے گا۔

### احکام شرع کی روشنی میں فقہ و تصوف میں پایا جانے والا ظاہری تفاوت

احکام شرع میں طہارت کو بڑی اہمیت حاصل ہے، بغیر طہارت کے عبادات کو سر انجام دینا ممکن نہیں۔ اس اہمیت کے پیش نظر فقہاء نے تدوین فقہ اور تالیف فقہ میں آغاز "کتاب الطھارۃ" سے کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:" إِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ[1] "اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔

طہارت کے حوالے سے فقہ تو وضو، غسل اور تیمم وغیرہ جیسے موضوعات پر تفصیلی طور پر بحث کرتی ہے۔ نواقض وضو، نواقض غسل اور نواقض تیمم کی تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہیں، سو فقہ میں طہارت شخصی کے تمام مسائل کا تعلق انہی تین امور کیساتھ ہے۔ جس شخص پر غسل لازم نہیں وہ وضو کرے اور ان تین اعضاء کو دھولے جن کا دھونا نص قرآنی کی رُو سے فرض ہے تو وہ پاک اور طاہر سمجھا جائے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ[2]"

"جب تم اٹھو نماز ادا کرنے کے لئے تو (پہلے) دھو لو اپنے چہرے اور بازو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سر اور دھو لو اپنے پاؤں ٹخنوں تک"۔

چہرے کا دھونا، ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونا اور پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا لازم ہے۔ باقی کچھ امور سنت ہیں اور کچھ مندوب۔

جبکہ تصوف میں طہارت پر جب بحث ہوتی ہے تو اس میں کچھ اور امور بھی زیر بحث آتے ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کیمیائے سعادت میں طہارت کے حوالے سے جو بیان کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ طہارت سے مراد صرف جسم اور کپڑوں کی طہارت ہی نہیں بلکہ اس کی چار قسمیں ہیں[3]:

---

[1] ۔القرآن ۲:۲۲۲۔

[2] ۔القرآن ۵:۶۔

[3] ۔ محمد فیض احمد اویسی، شاہراہ ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت (لاہور: زاویہ پبلشرز، س۔ن) ۱۰۵ تا ۱۰۸

1. تمام اشیاء سے اپنے دل کو پاک کرنا سوائے ذات باری تعالیٰ کے۔
2. ظاہر دل کو برے اخلاق مثلاً حسد، کبر، ریا، حرص، عداوت اور رعونت وغیرہ سے پاک کرنا تاکہ تواضع قناعت، توبہ، صبر، خوف، رجا اور محبت وغیرہ جیسے پاکیزہ اخلاق سے مزین ہو۔
3. جسم کے اعضاء کو گناہ سے بچانا مثلاً غیبت، جھوٹ، حرام کھانا، خیانت کرنا اور نامحرم عورتوں کو دیکھنا وغیرہ اور تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری کرنا۔
4. بدن اور کپڑوں کو پلیدی اور نجاست سے بچانا، تاکہ جسم ارکان نماز یعنی رکوع و سجود کے قابل ہو۔

پھر طہارت باطنی کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں۔

1. اعضائے بدن کی طہارت گناہوں سے۔
2. دل کی طہارت برے اخلاق سے۔
3. دل کی طہارے ماسوائے اللہ سے۔

اور طہارت ظاہری کی بھی تین اقسام بیان کی ہیں۔

1. طہارت نجاست سے۔
2. طہارت حدث اور جنابت سے۔
3. طہارت بدن کی بڑھنے والی چیزوں سے مثلاً ناخن، بال، میل کچیل وغیرہ۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ فقہ اور تصوف میں تفاوت اور مغایرت ہے۔ دونوں الگ الگ امور کو زیر بحث لاتے ہیں۔

## نماز کے احکام

فقہ نماز کے حوالے سے تکبیر تحریمہ سے لے کر اسلام تک کے تمام احوال کو زیر بحث لاتی ہے۔ نمازی نے تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھوں کو کانوں تک اٹھایا، پھر ثناء، سورہ فاتحہ، کوئی اور سورت ساتھ ملائی، پھر رکوع کیا، سجود کیے اور تمام ارکان کو درست طریقے سے ادا کیا تو فقہ کی رو سے نماز مکمل ہے۔ مگر تصوف صرف ظاہری نماز بجالانے والے کی نماز کو مکمل نہیں کہتا بلکہ تصوف اور صوفیاء کے نزدیک یہ ظاہری آداب صرف نماز کا جسم ہے اور بغیر روح کے صرف جسم کو مردہ کہا جاتا ہے۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ ہی فرماتے ہیں۔ "جو کچھ بیان ہوا یہ نماز کی صورت اور جسم کا بیان ہے اور اس صورت کے لئے ایک حقیقت ہے اور وہ اک کی روح ہے اور ہر نماز ذکر کے لئے ایک روح ہے اگر اصل روح نہ ہو تو نماز ایک مردہ آدمی کی طرح ایک بے جان جسم ہے۔ اگر اصل روح ہو لیکن اس کے

ساتھ دیگر اعمال و آداب نہ ہوں تو نماز اس آدمی کی طرح ہے جس کی آنکھیں تو ہوں لیکن ان میں بینائی نہ ہو اور کان تو ہوں لیکن سماعت نہ ہو اور نماز کی اصل روح خشوع و خضوع ہے اور تمام نماز میں حضوری، قلب ہے[1]۔

پھر امام غزالی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کرتے ہوئے اس پر تبصرہ بھی فرمایا جو اس بات کو ثابت کر رہا ہے۔ ارشاد ہے: "بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں نماز میں سوائے رنج و درماندگی کے اور کچھ حاصل نہیں کیونکہ وہ صرف جسم سے نماز پڑھتے ہیں اور ان کا دل غافل رہتا ہے[2]"

تو گویا تصوف میں صرف ظاہری احکام کی پابندی کرکے، نماز ادا کرلینے سے نماز نہیں ہوتی جبکہ فقہ کے فتوی کے مطابق ایسی نماز ہو جاتی ہے۔

احکام روزہ

فقہاء کے نزدیک روزہ کی تعریف ہے: "الامساك عن الأكل والشرب و الجماع نهارا مع النية[3]" دن بھر نیت کے ساتھ کھانے، پینے اور جماع کرنے سے رک جانا، روزہ کہلاتا ہے"

یعنی اگر بغیر نیست و ارادہ کے کسی نے دن بھر یہ اعمال نہ کیے تو وہ روزہ دار نہ ہو گا، اسی طرح اگر یہ اعمال دن کے اکثر حصے میں نہ ہوئے تب بھی وہ شخص روزہ دار شمار نہیں کیا جائے گا اور اگر دن بھر بالارادہ وہ ان امور سے رکا رہا اور اس نے کھانے، پینے اور جماع کرنے سے اجتناب کیا تو وہ فقہ کی رو سے روزہ دار ہے جبکہ تصوف میں صوفیاء نے روزہ کے تین درجات بیان کئے ہیں۔

1. روزہ عوام۔
2. روزہ خواص۔
3. روزہ خاص الخواص۔

عوام کا روزہ تو وہی ہے جو بیان ہوا اور اس کو وہ روزے کا ادنی درجہ قرار دیتے ہیں اور خواص کا روزہ یہ ہے کہ دل کو ماسوا اللہ کے خطرات سے محفوظ کرے اور خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے اور جو چیز اللہ کے سوا ہے اس سے ظاہراً اور باطناً روزہ رکھے بلکہ ان سے بالکل علیحدہ ہو جائے۔ خواص کے نزدیک جب بندہ کلام الٰہی اور اس کے متعلقات کے سوا کسی دوسری چیز کا خیال کرے گا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، جبکہ خاص الخواص کا روزہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف کھانا، پینا اور جماع کرنا ترک کرتے ہیں بلکہ وہ اپنے تمام اعضاء کو ناشائستہ حرکات سے بچاتے ہیں اور ان کے نزدیک چھ چیزوں سے روزہ مکمل ہوتا ہے۔

1. آنکھ کو بری بات دیکھنے سے بچانا۔

---

[1] ۔شاہراہ ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت و128

[2] ۔ایضا

[3] ۔امام ابوالحسن احمد بن محمد بن جعفر القدوری، المختصر القدوری، (کراچی: نور محمد اصح المطابع۔ کارخانہ تجارت کتب آرام باغ، س۔ن) ۴۶

Al-Milal (January-June 2026)
Vol. 8, No. 1 ISSN: 2663-4392

2. کان کو بری بات سننے سے بچانا۔

3. بے ہودہ اور بے فائدہ بات سے زبان کو بچانا۔

4. ہاتھ، پاؤں کو ناشائستہ حرکات سے محفوظ رکھنا۔

5. حلال اور طیب چیز سے روزہ افطار کرنا۔

6. ان تمام امور کا لحاظ رکھنے کے باوجود اس بات سے ڈرتے رہنا کہ روزہ قبول بھی ہوا ہے یا نہیں۔

احادیث میں بھی غیبت کرنے والی عورتوں کی قے کا معاملہ مذکور ہے اسی طرح حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ "بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جنہیں بھوک اور پیاس کے سوا روزہ سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ فقہ کا روزہ اور ٹھہرا جبکہ تصوف کا روزہ بالکل اور ہے۔

اسی طرح دیگر احکام میں بھی بظاہر تفاوت موجود ہے جس سے فقہ و تصوف میں تضاد اور مغائرت ثابت ہو جاتی ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ فقہ و تصوف میں ربط ہے یہ درست نہیں۔

### اس ظاہری تفاوت میں تطبیق اور تجزیہ

تفاوت کی مذکورہ صورتیں صرف اتنا ثابت کرتی ہیں کہ فقہ الگ ہے اور تصوف الگ، تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ فقہ الگ ہے اور تصوف الگ۔ ان کی تعریفات سے یہ بات واضح ہو چکی، بحث یہ ہے کہ آیا فقہ اور تصوف میں کوئی تضاد یا مغایرت پائی جاتی ہے یا ان میں توافق ہے؟ تو محققین امت کا ماننا یہ ہے کہ ان میں باہم ربط اور توافق پایا جاتا ہے۔

تطبیق کی پہلی صورت

کسی بھی شرعی حکم پر عمل کے حوالے سے اس کے دو پہلو ہوتے ہیں۔

1- ظاہری پہلو 2۔ باطنی پہلو

ظاہری پہلو کو فقہ زیر بحث لاتی ہے اور باطنی پہلو کو تصوف، اور جب تک دونوں پہلو مد نظر نہ ہوں اسلام کے بنیادی تقاضے پورے نہیں ہوتے نہ ہی کما حقہ اس پر عمل ہو سکتا ہے۔

طہارت میں جو کچھ بیان ہوا اسکی بھی تقسیم ہے۔

1. طہارت ظاہری: جو فقہ کا موضوع ہے۔

2. طہارت باطنی: جو تصوف کا موضوع ہے۔

اسی طرح نماز اور روزہ کے احکام سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ فقہ و تصوف کا آپس میں گہرا ربط اور تعلق ہے اور وہ تعلق ہے جسم و روح والا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کی جسطرح وضاحت فرمائی ہے وہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ فقہ بغیر تصوف کے

مردہ جسم ہے اور صرف تصوف ایسی روح ہے جس کا جسم نہ ہو۔ جملہ احکام شرعی میں یہ دونوں پہلو نظر آتے ہیں۔ لہٰذا اگر صرف ایک پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے عمل کیا جائے گا تو دوسرا پہلو نظر انداز ہو جائیگا۔

فقہ و تصوف کی وضاحت میں بھی یہ بات گزر چکی ہے کہ ابتدائے اسلام میں یہ دونوں علوم ایک ہی تھے بعد ازاں انکی وسعت کو مد نظر رکھتے ہوئے ظاہری احکام کو فقہ کا نام دیا گیا اور باطنی احکام کو تصوف کہا گیا۔

## تطبیق کی دوسری صورت

ان کے درمیان تطبیق کی دوسری صورت یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ تصوف میں ظاہری شرائط کے پورا ہونے کے باوجود شرائط باطنیہ کی وجہ سے حکم کی نفی کا مطلب فی الحقیقت حکم کی نفی نہیں بلکہ وصف کمال کی نفی ہے۔

احادیث طیبہ میں یہ اسلوب موجود ہے جیسے عبد اللہ بن مساور کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ بخل کے حوالے سے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو جھڑک رہے 114 تھے اور فرماتے ہیں:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس المؤمن الذي يبيت شبعان و جاره إلى جنبهجائع [1].

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومن وہ نہیں ہے جو سیر ہو کر رات گزارتا ہے، اس حال میں کہ اس کا پڑوسی اس کے پڑوس میں بھوکا ہوتا ہے"۔

اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ ایسا کرنے سے وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو کر کفر میں داخل ہو جائے گا بلکہ اس کا معنی ہے کہ وہ ایمان کے اعلیٰ درجہ میں نہیں ہے"۔

اسی طرح فقہاء احناف نے بیان فرمایا کہ "لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه[2]"

یعنی اس کا وضو نہیں جس نے وضو سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھی "اسکا معنی بھی یہی ہے کہ ثواب کے اعتبار سے اس کا وضو کامل الثواب نہیں ہے۔

بعینہ اسی طرح غیبت کی وجہ سے نبی کریم صلی علیہم نے عورتوں کے روزے کی جو نفی فرمائی وہ کاملیت کی ہی تھی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے دل کی طہارت کے بغیر ظاہری طہارت کی نفی کی۔ اسکا مطلب بھی یہ ہو گا کہ جو شخص حلال چیزوں سے تو حالت روزہ میں رک جائے مگر حرام چیزوں سے اجتناب نہ کرے تو اگرچہ ظاہر حکم شرعی پورا کرنے والا ہو گا مگر روزے کے پورے ثواب کا مستحق نہیں ہو گا اور صرف طہارت ظاہری کا اہتمام کرنے والا اگرچہ اس قابل تو ہو گا کہ وہ نماز کی ادائیگی کر سکے تاہم وہ جب تک دل کو بھی پاک نہیں کر لیتا یعنی تزکیہ نفس نہیں کر لیتا یہ شائبہ رہے گا کہ اس کی نماز قبول نہ ہو اور وہ کامل طہارت والا نہ ہو گا۔

## مسالک فقہ کی حقیقت اور ظاہری اختلاف کے اسباب و وجوہات

---

1 ۔امام ابو جعفر احمد بن محمد ازری طحاوی (۳۲۱ھ)، شرح معانی الآثار ۲۴ (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار) ۲۴

2 ۔استاذ الحدیث المساعد بجامعۃ الازہر، مصر

فقہ کا تعلق اجتہاد کے ساتھ ہے اور جس طرح پہلے بیان ہوا کہ احکام فقہ کا استخراج و استنباط نصوص سے مختلف طریقوں سے ہوتا ہے پھر بعض ائمہ تک نبی کریم صلی ٹیم کا کوئی ارشاد یا عمل پہنچا اور بعض تک کوئی اور پہنچا۔ چونکہ اسلام ایک تدریجی مذہب ہے اور اصول فقہ اور اصولِ حدیث میں ناسخ و منسوخ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خود قرآن مجید کے حوالے سے ناسخ و منسوخ آیات موجود ہیں۔ بعض منسوخ القراء ہیں اور بعض منسوخ الحکم، اس بنیاد پر مختلف احکام کو ثابت کیا ہے۔ کسی کے نزدیک "قراۃ خلف الامام "ممنوع ہے اور کسی کے نزدیک سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ اسی طرح "رفع یدین فی الصلوۃ" جیسے دیگر بہت سارے مسائل ہیں جن کے بارے میں ائمہ کی رائے مختلف ہے۔ اس اختلاف کے نتیجے میں چند فقہی مسالک وجود میں آئے جن میں سے مشہور چار فقہی مسالک ہیں۔ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی۔ امت کے ایسے افراد جو خود درجہ اجتہاد پر فائز نہیں، قرآن و سنت سے اخذ مسائل اور استنباط احکام نہیں کر سکتے، ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی معروف فقہی مسلک کے بیان کردہ احکام کی پابندی کریں۔ جس کو عرف عام میں "تقلید" کہا جاتا ہے۔ ان کے لئے یہ جائز اور درست نہیں کہ ان مختلف مسالک کے بیان کردہ احکام میں سے جو حکم انہیں پسند آئے اس پر وہ عمل کر لیں کیونکہ یہ صورت خواہشات نفس اور ذاتی پسند ناپسند کا پابند تو بناتی ہے، شریعت کا نہیں۔ جبکہ اسلام اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا نام ہے۔

صرف اتنا ہی نہیں خود کسی ایک فقہی مسلک کے اندر رہ کر بھی علماء کا فروعی مسائل میں آپس میں اختلاف موجود ہے۔ جیسے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے معروف شاگرد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا باہمی اختلاف۔ اس اختلاف کا تعلق حکم کے نافذ ہونے اور منفی ہونے کے ساتھ بھی ہے۔یعنی جواز بعد عدم جواز کے ساتھ بھی رہے اور کسی عمل کی افضلیت کے ساتھ بھی ہے۔

اس تمام تر اختلاف کے باوجود کسی نے بھی دوسرے کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کی بات نہیں کی بلکہ باہمی احترام اور رواداری کا سلسلہ ہمیشہ جاری وساری رہا اور قرآن و سنت کے دائرہ کے اندر رہ کر ائمہ نے ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف کیا ہے اور فقہی اختلف جو کہ فروعی اختلاف ہے، اس کی بنیاد پر امت کبھی بھی خلفشار کا شکار نہیں ہوئی بلکہ درست نکتہ نظر یہی رہا کہ جس امام نے بھی اجتہاد کے ذریعے کسی اجتہادی مسئلہ کو بیان کیا ہے وہ اپنی کاوش اور سوچ میں عند اللہ ماجور بھی ہے اور عند الناس قابل قدر بھی۔

ائمہ مجتہدین میں سے بعد میں آنے والے ائمہ باوجود فقہی مسائل میں کسی امام کی تقلید کرنے کے تعصب، ہٹ دھرمی، ذاتی پسند وناپسند سے بہت بالاتر ہے اور قرآن وسنت کی روشنی میں وہ جس صحیح نتیجہ پر پہنچے انہوں نے بڑی بے باکی سے اس کو بیان کرو یا مثلاً امام جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف زیلعی رحمۃ علیہ کی "نصب الرایہ تخریج احادیث الھدایہ" کے حوالے سے ڈاکٹر ابو محمد عبد المحمدی بن عبد القادر نے امام زیلعی کے منہج کو بیان کرتے ہوئے لکھا:

"والذيلعي اذ يذكر الأحاديث التي تدل لمذهب الحنفى والأحاديث التي تدل لغيرهم لم ينزل إلى دركة التعصب المذهبي، فيقوى أدلة الأحناف على غيرها ، أولا يذكر ما في أدلة المذاهب الأخرى من قوة، لا، وإنما التزم الرجل المنهج العلمي السليم، فهو يذكر ما في المسئلة من أدلة الأحناف من أدلة لغيرهم ، مُحَقِّقا مُدَقا في كل ما يذكر[1]"

امام زیلعی جب فقہ حنفی پر دلالت کرنے والی احادیث اور دیگر مسالک کی متدل روایات کو ذکر کرتے ہیں تو مذہبی تعصب کا مظاہرہ کرتے ہوئے احناف کے دلائل کو دیگر ائمہ کے دلائل پر فوقیت نہیں دیتے اور ایسا بھی نہیں کرتے کہ دیگر مسالک کے دلائل کے اندر جو قوت پائی جاتی ہے اس کا ذکر ہی نہ کریں۔ وہ ایسا نہیں کرتے بلکہ مؤلف نے صحیح علمی اسلوب اختیار کیا ہے اور کسی بھی مسئلہ کے بارے میں جو احناف کے دلائل ہیں انہیں بھی اور دیگر ائمہ کے دلائل کو بھی پوری تحقیق و تدقیق کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

المختصر کسی ی بھی امام نے فروعی مسائل میں پائے جانے والے اس علم علمی اختلاف کو مخالفت، عناد، دشمنی اور ذاتی انا کا مسئلہ نہیں بنایا بلکہ اسے معلومات تک رسائی اور زاویہ فکر پر مشتمل اختلاف قرار دیا ہے۔ فقہاء نے کسی بھی ذاتی تعلق، ذاتی نسبت اور دینوی غرض کو حق بیان کرنے میں رکاوٹ نہ بنے دیا، اگر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان کے استاد گرامی ابو حنیفہ کسی مسئلہ میں درست نتیجہ پر نہیں پہنچے تو انہوں نے اس محبت بھرے تعلق کو آڑ نہیں بنایا بلکہ اپنے تیئں درست مسئلہ کو بیان کرنے میں کسی طرح کی ہچکچاہٹ اور عار محسوس نہیں کی۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امت تک احکام شرع کی درست اور مدلل توجیہات پہنچ گئیں اور فروعی مسائل پر مزید تحقیق کے رستے کھلے رہے۔ اس عمل سے ممکن ہے کہ کسی نے نماط فائدہ اُٹھایا ہو گا مگر کسی کی غلط روش کی وجہ سے اس علمی طریقہ کار کو بند نہیں کیا گیا بلکہ غلطیوں کی نشاندہی کر کے انکی تصحیح کرنے کی سعی مشکور کی گئی، یوں مختلف فقہی مسالک وجود میں آئے چونکہ مقاصد اشاعت دین، ترویج اسلام اور درست شرعی احکام کو لوگوں تک پہنچانا تھا اس لیے امت کی غالب اکثریت نے اسے قبول عام بخشا اور اس کاوش کو امت کے حق میں بہتر کاوش قرار دیا اور باوجود ظاہری تفاوت کے مقاصد کی یکسانیت نے اس تفاوت کو تضاد اور تناقض نہ بننے دیا بلکہ نتیجے کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کو توافق اور اتحاد مانا گیا۔ مولانا مناظر احسن گیلانی فقہی اختلافات کو امت مسلمہ کے لئے بہت بڑی بھلائی سمجھتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "اندازہ لگانے والے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان اختلافات میں اسلامی قانون اور قانون کے دائرہ میں کتنی عظیم وسعت پیدا ہو گی۔۔۔۔۔یقیناً ان گنجائشوں کا ایک بڑا باب ان فقہی اختلافات کی بدولت کھلا ہے اور اسی لئے بجائے شہر کے میں ان اختلافات کو اسلام اور مسلمانوں کے لئے خیر عظیم خیال کرتا ہوں[2]

---

[1] ۔ طرق تخریج حدیث رسول اللہ، ڈاکٹر شیخ ابو محمد عبد المھدی بن عبد القادر (لاہور: المکتبہ اسلامیہ، اردو بازار ۱۴۳۴ھ)۱۸۸

[2] ۔ مولانا مناظر احسن گیلانی، مقدمہ تدوین فقہ (مکتبہ رشیدیہ)۱۱۶۳

اس سے دین اسلام کا اہم ترین اصول کہ " دین اسلام میں تنگی نہیں " ثابت ہوا کہ دین اسلام کے احکامات اور تعلیمات میں تدریج، سہولت اور رخصت کا پہلو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اسلام تکلیف مالا طاق نہیں دیتا یعنی ایسا حکم جو لوگوں کی طاقت سے باہر ہو اس پر وہ عمل نہ کر سکتے ہوں۔

اس کی سب سے بڑی اصل "لا يكلف الله نفسا إلا وسعها[1]" ہے یعنی اللہ تعالیٰ کسی پر بھی اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

**مسالک تصوف کی حقیقت اور ظاہری اختلاف کے اسباب ووجوہات**

جس طرح فقہ کا تعلق اجتھاد کے ساتھ ہے تصوف بھی اجتہاد سے تعلق رکھتا ہے اور اسکے مسائل بھی نصوص قرانیہ اور سنت ثابتہ سے متخرج ومستنبط ہیں۔ اس میں باطن کی اصلاح، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب جیسے خوبصورت امور کا حل تلاش کیا جاتا ہے اس کے لئے جو طریقہ کار موزوں ہو اس کو اختیار کر لیا جاتا ہے۔ اسی بنیاد پر مختلف صوفیاء کے ہاں تصوف کی وضاحت مختلف ہے کسی نے اخلاق کو تصوف کہا، کسی نے مقام "احسان" کو تصوف کہا، تصوف کی مختلف تعریفات سے با آسانی اس بات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کسی نے "احسان" ہی کو سمجھتے ہوئے سارا زور عمل پر صرف کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں کی جائے کہ جیسے تو اسے دیکھتا ہے۔ یعنی عبادت وریاضت میں وہ اخلاص اور توجہ حاصل ہو جائے کہ عبادت گزار حضوری کا گداز حاصل کر لے۔ ہر شخص میں تو یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ اس طرح کی توجہ الی اللہ کر سکے تو آسانی کے لئے اس کا ایک درجہ اور موجود ہے اور وہ ہے "فان لم تکن تراہ فانہ تراک " کہ اگر تو اسے نہ دیکھ پائے تو یوں عبادت کر کہ جیسے وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اگر یہ کیفیت نصیب ہو جائے تو عمل اور ارادے میں اخلاص بصورت کمال حاصل ہو جائے گا۔ ایسے عمل میں ریاکاری اور دکھلاوے کا شائبہ تک موجود نہیں رہے گا بلکہ طمع اور لالچ بھی دور دور تک نظر نہیں آئے گا۔ ایسی صورت میں "احسان " زندگی کا وہ مجموعی رویہ بن جائے گا کہ خلوت ہو یا جلوت، عبادت ہو یا معاملات، انسان کے تمام اعمال اور اسکی تمام حرکات وسکنات اسی سانچے میں ڈھل کر یکسانیت اختیار کر لیں گی۔

کسی نے "احسان" کو ایک اخلاقی تقاضے کے طور پر لیا۔ ارشاد باری ہے: "ان الله يامر بالعدل والاحسان[2]" بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے"۔

عدل، اسلامی تعلیمات اور احکام میں وجوب کا درجہ رکھتا ہے اور احسان اخلاقی تقاضہ ہے اور اسلام میں اسکی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ طلاق، ایک انتہائی اقدام ہے اور اس کا وقوع اس وقت ہوتا ہے جب میاں، بیوی کا اکٹھے رہ کر معاملات کو شریعت اسلامیہ کے مطابق گزارنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے وہاں بھی حکم ہے:

---

[1] ۔ القرآن ۲:۲۸۶۔

[2] ۔ القرآن ۲۷:۹۰۔

الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح باحسان[1]۔

کہ طلاقیں دو ہیں سو معروف طریقے (یعنی رجوع یا نکاح جدید) سے روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ فارغ کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ جہاد میں قتل ضروری ہو جاتا ہے اس طرح جانور کو ذبح کرنا بعض صورتوں میں لازم ہو تا ہے تو وہاں بھی صحیح مسلم کی حدیث میں ہے:

إن الله كتب الاحسان على كل شئي فإذا قتلتم فاحسنوالقتلة واذا ذبحتم فاحسنوالذبحة و يجد احدكم شفرة و ليرح ذبيحته[2]

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں احسان کا حکم دیا ہے، سو جب تم کسی کو قتل کرو تو عمدہ طریقے سے قتل کرو اور جب تم جانور کو ذبیحہ کرو تو عمدہ طریقے سے ذبح کرو، اپنے آلے کو تیز دھار کر لو اور اپنے ذبح کو آرام پہنچاؤ"۔

قتل کی عمدگی سے مراد مثلہ سے بچنا ہے، یعنی دشمنی کی بنیاد پر اعضاء بدن کو مت کاٹو اور ذبح کند چھری سے بھی ہو سکتا ہے مگر ایسا کرنے سے منع کیا گیا، کیونکہ اس میں ایک طرح کی اصل تکلیف سے زائد تکلیف ہے۔ لہذا یہ ممنوع ہے۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جو فقہ اور تصوف دونوں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔

کسی نے "الدين النصيحة" وین سراپا خیر خواہی ہے کو مد نظر رکھا اور وہ خدمت خلق میں مصروف ہو گئے۔ ان کے نزدیک تصوف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی آسودگی، آسائش اور تکالیف سے محفوظ رکھنے کا بندوبست کیا جائے۔ جس نے کسی مسلمان سے دینوی مشکل کو دور کیا، پروردگار عالم اس سے آخرت کی مشکل کو دور فرمائے گا۔

لہذا انہوں نے خدمت خلق کو تصوف سمجھا، کوئی فکر آخرت کو تصوف کہتا ہے، فی الحقیقت یہ سارے اعمال تصوف کا حصہ اور لازمہ ہیں۔ پھر اس میں ذوق اور اندازِ فکر کا اختلاف بھی کار فرما ہے، کوئی ذکر بالجہر کو پسند کرتا ہے، کسی کے نزدیک ریاکاری سے بچنے کے لئے انتہائی رازداری سے یہ کام سر انجام دینے کی ضرورت ہے۔ اس لئے اس نے ذکر خفی کو ترجیح دی۔ اس فطری اختلاف، ذوق طبعی اور فکری زاویے کے اختلاف نے تصوف کے بھی مختلف سلاسل کو جنم دیا۔ جن میں سے مشہور چار سلاسل ہیں۔ سلسلہ قادریہ، سلسلہ چشتیہ، سلسلہ نقشبندیہ اور سلسلہ سہروردیہ۔ جسطرح فقہی اختلاف امت مسلمہ کیلئے خیر اور بھلائی کا باعث ہے بالکل اسی طرح تصوف کے مختلف سلاسل بھی امت کے لئے خیر کا باعث ہیں۔ اور یہ ظاہری اختلاف کسی قسم کے انتشار کا باعث نہ بنا کیوں کہ خلوص نیت اور تلاش احسن کی بنیاد پر وجود میں آیا۔ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی اپنی کتاب "نفحات تصوف" میں اسکی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "تصوف داخل کی اصلاح، باطن کی تہذیب اور خارج اور ظاہر کی تربیت کا ایک کفیل ادارہ ہے جس کے ذریعے

---

[1]۔ القرآن ۲:۲۲۹۔

[2] ۔ محمد بن عیسی ترمذی، جامع ترمذی، کتاب الدیات، ۴۴۷۔

صفائی قلب کی شعاعیں اعضاء وجوارح کے اعمال میں منعکس ہوتی ہیں اور انسان کے ظاہر اور باطن کو یک رنگ بناتی ہیں۔ باطن کی نورانیت اعمال میں ڈھل کر تابانیوں کے فروغ کا ذریعہ بنتی ہے۔ یہ ہمہ گیر تحریک، باہمی تعاون اور ملی یکسانیت کی نوید تھی[1]

پھر اس کی تشریح میں جو صوفیاء کی باہمی محبت اور جدال سے دور رہنے کی وجہ سے مذکورہ بالا وجوہات کو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کے مختلف گروہوں اور سلاسل میں مجادلات کی فضاء پیدا نہ ہوئی باہمی احترام قائم رہا اور معاصرانہ چشمک اور مناظرانہ چپقلش کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔ حسن تمام مصلی الم سے رشتہ مضبوط رہا اس لئے نظروں کے تفاوت کے باوجود نظری انتشار پیدا نہ ہوا۔ تصوف کے جملہ مدارج اصلاح و فلاح کے نقیب رہے، محبت کی افزونی، اعتماد کی بالیدگی اور دعوت وارشاد کی پاکیزگی قائم رہی۔ دلچسپیوں کا تنوع بعض اعمال ومیلانات میں تفاوت کا منظر پیش کرتا ہے۔ ایسا ہی تفاوت علماء اور صوفیاء کے ہاں نظر آتا ہے مگر یہ صرف طریق کار کا اختلاف ہے۔ پسند اور ناپسند کا اثر ہے اہداف کا الجھاؤ یا نظریات کا تصادم نہیں[2]۔

تو نتیجہ فکر یہ ہے کہ مسالک تصوف کا تفاوت فی الواقع تضاد، تعارض یا تناقض پر مشتمل نہیں بلکہ یہ دلچسپیوں کے تنوع اور اعمال ومیلانات اور طریق کار کا اختلاف ہے اور تصوف کی مختلف اعلیٰ تعلیمات اور مختلف جہتوں میں سے کسی خاص جہت اور ترجیحا لینے کی بنیاد پر یہ سلاسل قائم ہوئے۔

اس بحث کے نتیجے میں سامنے آنے والا ارتباط

فقہ وتصوف کے ان مسالک کی تقسیم اور ظاہری اختلاف کے اسباب بھی قریب قریب ایک جیسے ہیں اور اس کے نتیجے میں ہونے والی تقسیم بھی قدر مشترک رکھتی ہے۔ دونوں کے مد نظر قرآن و سنت کی تعلیمات ہیں۔ دونوں کو ماننے والے افراد اس اختلاف کو مخالفت اور جدال کا رنگ دینے اور اسکو فکری انتشار کا باعث بنانے سے گریزاں ہیں اور خواہ مسالک فقہ ہوں یا سلاسل تصوف، باہمی احترام اور رواداری کو بنیاد سمجھتے ہیں۔ جس طرح فقہی اختلاف کو چند لوگوں نے غلط سمجھا یا اس اختلاف سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ایسے ہی صوفیاء کے اس اختلاف کو بھی بعض ناعاقبت اندیشوں نے دنیاوی مفادات، ذاتی اغراض اور گروہی تعصبات کے رنگ میں رنگ کر صف اولیاء میں گھسنے کی کوشش کی مگر یہ ساری کاوشیں فضول اور لاحاصل ثابت ہوئیں۔

اسکی وجہ یقینا یہ ہے کہ تصوف صرف وظائف کی کثرت، چلہ کشی، تسبیح گردانی اور کشف وکرامات کے چرچے کا نام نہیں بلکہ قدیم اور حقیقی صوفیاء کے نزدیک تصوف مال نہیں حال ہے جو بندے پر وارد ہوتا ہے۔ جس سے اس کے ظاہر وباطن کا تضاد دور ہو جاتا ہے اور قلب ودماغ تزکیہ وطمانیت کا مرکز بن جاتا ہے۔

---

1۔ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، نفحات تصوف (فیصل آباد ۲۰۱۴ء)۱۳،۱۲

2۔ نفحات تصوف،۱۳

اور اس اشتراک اور ربط کی بہت بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ فقہاء و صوفیاء کے ناموں کا تفاوت صرف اور صرف میلان طبع کی بنیاد پر ہے ورنہ جو جتنا بڑا افقیہ ہے وہ اتنا ہی بڑا صوفی بھی ہے اور جو صوفیاء کی صفوں میں بلند مقام رکھتا ہے وہ اعلیٰ پائے کا فقیہ بھی ہے۔ مثلاً حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فقہ میں ایک مسلک کے امام ہیں تو دوسری طرف آپ ایک باکمال صوفی بھی ہیں۔ ایسے ہی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی صوفیاء کی جماعت کے سرخیل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ فقیہ بھی ہیں۔ دور حاضر میں حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازھری جہاں ایک نامور صوفی اور پیر تھے وہیں قانون اور فقہ کے میدان میں بھی عدالتی فیصلوں سے لے کر مختلف فتاویٰ تک ایک بلند پایہ فقیہ بھی تھے۔